اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

ماہنامہ

قندیلِ ادب

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

rana_razzaq@hotmail.com

07886304637 & 02089449385

معاون مدیر و ڈیزائنر:

عامر امیر

07903126126

majeedamer20@yahoo.com

نگرانِ ویب سائٹ:

ایاز احمد راٹھور

www.bazmesherosukhan.co.uk

قندِیل ادب اِنٹرنیشنل لندن ستمبر ۲۰۱۳ء

وضاحت۔قندیلِ اَدب انٹرنیشنل کسی سیاسی سماجی مذہبی گروہ یا فرقے کا ترجمان نہیں یہ نسل یا فرقوں کے امتیاز سے بالاتر ہے یہ صرف ادب کی ترقی وترویج کے لئے جاری کیا گیا ہے اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں قارئین کو آراء یا مضامین سے اختلاف کا حق حاصل ہے اور اس کے صفحات حاضر ہیں۔تحریر کے ساتھ اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور ارسال کریں یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔

فہرست

مبارک صدیقی..........نعت
عاصی صحرائی..........قتیل شفائی
سید معراج جامی..........غزل
وسیم بٹ نیروبی..........غزل
حباب ہاشمی الہ آباد..........غزل
فیاض عادل فاروقی..........غزل
صدیقہ شبنم لندن..........غزل
فراز حمید خاں..........دلچسپ وعجیب
ساقی اندور انڈیا..........غزل
اختر شاہ جہان پوری..........غزل
یشب تمنا..........غزل
ساحر شیوی..........غزل
پروین شاکر..........غزل
اے آر راجپوت..........صاحبزادہ ایم ایم احمد
عاصی صحرائی..........غزل
منور احمد کنڈے..........غزل
رضیہ اسمٰعیل..........غزل
محمد فاروق نسیم برمنگھم..........غزل
ابن لطیف..........حضرت ابوبکر صدیقؓ
اشعار ضرب المثل..........غزل
اعزاز لطیف خاں..........تاتامی
جون ایلیا..........غزل
محسن نقوی..........غزل
شیراز احمد..........دیوارِ چین
فیض احمد فیض..........غزل
احمد ندیم قاسمی..........غزل
سیف الدین سیف..........غزل
ساحر لدھیانوی..........غزل
منیر نیازی..........غزل
احمد فراز..........غزل
ساغر صدیقی..........غزل
عامر امیر.....مادام تساؤ کا عجائب گھر.....دنیا کی تاریخ کا عینی شاہد
ناصر کاظمی..........غزل
آدم چغتائی..........جستجوئے جمال..........ڈاکٹر مظفر حنفی
ادا جعفری..........غزل
شاہدہ حسن..........غزل
عبداللہ ناظر..........غزل
عبدالرحمٰن عابد..........میرا وطن ہر طرح سے جل رہا ہے
عدیم ہاشمی..........غزل
ثمینہ راجہ..........غزل
فاطمہ حسن..........غزل
سعداللہ شاہ..........غزل
صائمہ علی..........غزل
اسحاق ساجد..........غزل
جوزف کالونی..........رانا عبدالرزاق خاں
عبدالمومن..........غزل
سید حسن خان..........قرآن
قطعاتِ سروش..........مبارک صدیقی
مزاحیہ شاعری..........انور مسعود

اعتراف

جھوٹا ہوں دھوکے باز ہوں، اچھا نہیں رہا
میں ہو گیا جوان اب بچہ نہیں رہا

یہ کہہ رہا تھا آئینہ "جھوٹا نہیں ہوں میں"
میں کہہ رہا تھا "آئینہ سچا نہیں رہا"

سیلاب تجھ کو چاہئیے کہ اپنی راہ لے
کوئی مکان گاؤں میں کچا نہیں رہا

عامر امیر

مبارک صدیقی

اہل دنیا کو نجانے اور کیا اچھا لگا
اہل دل کو بس محمد مصطفیٰ اچھا لگا
روشنی پہ جان دینے پھر پتنگے آ گئے
شب گزیدہ قوم کو روشن دیا اچھا لگا
درد کے صحرا میں بارش وصل کی جل تھل ہوئی
ہجر کے ماروں کو موسم وہ بڑا اچھا لگا
جس نے چومے ہاتھ اُسکے خود بھی خوشبو ہو گیا
اہل دل کو عشق کا یہ معجزہ اچھا لگا
پیار کرنا جرم ہے تو سن زمانے غور سے
وہ ہمیں تھوڑا نہیں بے انتہاء اچھا لگا
اُسکی خاطر زخم جو آئے وہ سارے پھول تھے
اُسکے کوچے تک ہمیں ہر کربلا اچھا لگا
پیار کیسے ہو گیا یہ واقعہ ہے مختصر
ہم دکھی تھے اور ہمیں دکھ آشنا اچھا لگا
عشق بھی کیا چیز ہے اب کیا بتائیں دوستو
اُس کے گھر جو لے گیا وہ راستہ اچھا لگا
کیا عجب روز قیامت وہ مبارک یہ کہیں
میرے اس شاعر نے اُس دن جو کہا اچھا لگا

قتیل شفائی......................عاصی صحرائی

خوبصورت نغمات کا شاعر

شاعری سچ بولتی ہے، بھید میرے کھولتی ہے

قتیل شفائی دسمبر ۱۹۱۹ کو ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔اصل نام اورنگ زیب تھا۔شفا قتیل کے استاد تھے۔اور اسی نسبت سے انہوں نے تخلص قتیل شفائی رکھا۔والد کا نام فیروز خاں تھا۔قتیل شفائی کے والدین اکوڑہ خٹک سے آ کر ہری پور میں آباد ہوئے تھے ۔قتیل شفائی کے والد کاروباری شخصیت تھے۔اُن کی وفات کے وقت قتیل شفائی کی عمر صرف ۱۶ سال تھی ۔کئی رشتہداروں نے کاروبار کو چلانے میں قتیل شفائی کو بہت مالی نقصان پہنچایا۔راولپنڈی میں بھی قتیل شفائی کے والد کی جائیداد تھی ۔اس لئے قتیل شفائی نے ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی سے حاصل کی ۔قتیل شفائی نے اسکول سے ہی شاعری شروع کر دی تھی۔انہیں قدرت نے ترنم اور موزونیت کی صفت سے خوب خوب نوازا تھا۔۱۹۳۹ء میں ہری پور کا پہلا مشاعرہ کرانے کا اعزاز بھی قتیل شفائی کو حاصل ہے۔اس مشاعرے میں لاہور سے قمر جلال آبادی، نفیس خلیلی، اور اختر شیرانی بھی تشریف لائے تھے، شروع میں قتیل شفائی نے ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں سروس کی پھر انہیں برانچ منیجر بنا کر بھجوا دیا۔لاہور سے ''ادب لطیف'' کے ایڈیٹر چوہدری نذیر احمد نے انہیں پرچے میں نائب ایڈیٹر کے عہدے کی پیشکش کی ۔قتیل شفائی چونکہ خود لاہور کے ادبی ماحول سے خود بہت متاثر تھے۔اس لئے فوراً یہ پیشکش قبول کر لی۔''ادبِ لطیف'' میں قتیل شفائی کے علاوہ فکر تونسوی بطور نائب ایڈیٹر کام کر رہے تھے۔۱۹۴۶ء کا زمانہ تھا۔لاہور شہر میں روز ہی کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں ادبی محفل ہوا کرتی تھی اب قتیل شفائی شاعر اور نغمہ نگار کی حیثیت سے اپنی شناخت بنا چکے تھے۔گارڈن کالج راولپنڈی میں ایک مشاعرے کے بعد امان اللہ خاں ن نیازی اور محبوب اختر نے بمبئی میں فلم کمپنی ''خیالستان'' کے لئے گیت لکھنے کے لئے کہا تنخواہ پانچ صد روپے ماہانہ طے ہوئی۔اور یوں قتیل شفائی لاہور سے بمبئی آ گئے۔لیکن کچھ عرصہ بعد تقسیم ہند کے فسادات شروع ہو گئے۔اس لئے فلم کمپنی بمبئی سے لاہور شفٹ ہو گئی ۔کمپنی کا دفتر میکلوڈ روڈ قائم کر دیا گیا۔انہی دنوں ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب اسمبلی کے باہر کرپان لہرائی اور کہا کہ پاکستان نہیں بننے دیں گے۔فلم کمپنی کے ڈسٹری بیوٹرز کیونکہ سکھ تھے۔اس لئے فسادات کی وجہ سے فلم کمپنی کا کام ٹھپ ہو گیا۔قیام پاکستان کے بعد جس طرح متروکہ املاک کی لوٹ مار ہوئی اس کا قتیل شفائی کے ذہن پر بہت منفی اثر پڑا۔انہی وجوہات کی بنا پر وہ ترقی پسند تحریک میں شامل ہو گئے۔قتیل شفائی نے تقریباً تین ہزار فلمی گیت لکھے۔فلمی شاعری میں بھی قتیل شفائی نے اعلیٰ ادبی معیار قائم رکھا ۔یہی وجہ تھی کہ انڈیا میں جب فلمی دنیا کی شاعری پر ساحر لدھیانوی کا راج تھا تو بھی انڈیا کی فلموں کے لئے قتیل شفائی سے فلمی گیت لکھوائے جاتے اور پسند بھی کئے جاتے ۔پاکستان میں بننے والی پہلی فلم ''تیری یاد'' کے گیت بھی قتیل شفائی نے لکھے ۱۹۹۴ء میں حکومت پاکستان نے قتیل شفائی کو تمغہ حسن کارکردگی دیا۔شعری مجموعہ ''مطربہ'' پر آدم جی ایوارڈ ملا۔''چھتنار'' پیراہن'' پر اباسین آرٹ'' کونسل نے دو ایوارڈ دیئے۔ انڈیا میں ایک یونیورسٹی کے پروفیسر نے ''قتیل شفائی اور ان کے ادبی کارنامے'' کے عنوان سے ڈاکٹریٹ کیا۔مہاراشٹر بچوں کے لئے فلمی اور ادبی حلقوں میں قتیل شفائی بہت مقبول تھے۔شعری مجموعے ''رنگولی'' کی بھارتی شاعرہ رشمی بھاشا تو قتیل شفائی کو اپنا استاد اور گرو مانتی ہے۔قتیل شفائی کے چودہ شعری مجموعے شائع ہوئے۔اُن میں سے ''گفتگو، پیراہن، جلترنگ، چھتنار، گجر، اور ہریالی بہت مشہور ہوئے۔قتیل شفائی گیارہ جولائی ۲۰۰۱ء کو ہمیشہ کے لئے اپنے مداحوں کو سوگوار چھوڑ کر اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔قتیل شفائی کی شاعری میں سے منتخب اشعار پیش ہیں۔

وہ دل ہی کیا ترے ملنے کی جو دعا نہ کرے

میں تجھ بھول کے زندہ رہوں خدا نہ کرے
یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
خدا کسی سے کسی کو مگر جدا نہ کرے

وہ خدا ہے کسی ٹوٹے ہوئے دل میں ہوگا
مسجد میں اُسے ڈھونڈ نہ کلیساؤں میں
ہم کو آپس میں محبت نہیں کرنے دیتے
اِک یہی عیب ہے اس شہر کے خداؤں میں

میں کُھلے در کے کسی گھر کا ہوں ساماں پیارے
تو دبے پاؤں کبھی آکے چرا لے مجھ کو
اب تو راہ نہ بھولو گے تم اب تو ہم سے آن ملو
دیکھو ہم نے پلک پلک پر سو سو دیپ جلائے ہیں
ترک اُلفت کسی قسم بھی کوئی ہوتی ہے قسمت
تو کبھی یاد تو کربھولنے والے مجھ کو

اب تو راہ نہ بھولو گے تم اب تو ہم سے آن ملو
دیکھو ہم نے پلک پلک پر سو سو دیپ جلائے ہیں
ہائے قتیل اس تنہائی میں کیا سوجھی ہے موسم کو
جس دن سے وہ پاس نہیں اس دن سے بادل چھائے ہیں

خود نمائی تو نہیں‌شیوہ اربابِ وفا
جن کو جلنا ہو وہ آرام سے جل جاتے ہیں
زندگی اپنی گنہگار محبت ہی سہی
کوئی ایسا ہے جو پہلا اُسے پتھر مارے
رسم اتنا نہ بڑھا اس بُت کافر سے قتیل
مار ڈالیں گے تجھے مل کے یہ مسلماں سارے
پکڑا ہی گیا ہوں تو مجھے دار پہ کھینچو

سچا ہوں مگر اپنی وکالت نہیں کرتا
دنیا میں اس سا منافق نہیں کوئی
جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا
کیا عشق تھا جو باعثِ رُسوائی بن گیا
یارو تمام شہر تماشائی بن گیا
بن مانگے مل گئے مجھے راتوں کے رت جگے
میں جب سے ایک چاند کا شیدائی بن گیا

یہ معجزہ بھی محبت کبھی دکھائے مجھے
کہ سنگ تجھ پہ گرے اور زخم آئے مجھے
وہ میرا دوست ہے سارے جہاں کو ہے معلوم
دغاکرے وہ کسی سے شرم آئے مجھے

سید معراج جامی

نادیدنی تحریر سے میں خوف زدہ ہوں
ہاں اپنی ہی تقدیر سے میں خوف زدہ ہوں
دیکھا تھا کبھی خواب محبت کا سہانا
اُس خواب کی تعبیر سے میں خوف زدہ ہوں
مجھ کو مرے لفظوں ہی سے وہ مات ہوئی ہے
اب اپنی ہی تحریر سے میں خوف زدہ ہوں
جس مہر کی تنویر سے ہر داغ اُبھر آئے
اُس مہر کی تنویر سے میں خوف زدہ ہوں
جھنکار صدا دیتی ہے پھر سنگ زنوں کو
پھر پاؤں کی زنجیر سے میں خوف زدہ ہوں
حیران ہوا جاتا ہوں آئنہ اُٹھا کر
کیا اپنی ہی تصویر سے میں خوف زدہ ہوں
کیا شہر ملامت سے گزرنا نہیں ہوگا
کیوں اپنی ہی تشہیر سے میں خوف زدہ ہوں
تقدیر کی بندش کوئی بندش نہیں رکھتی
ہاں اپنی ہی تقدیر سے میں خوف زدہ ہوں
جس شہر کی تعمیر ہو تخریب پہ جامؔی
اس شہر کی تعمیر سے میں خوف زدہ ہوں

وسیم بٹ نیروبی

حکم صادر ہواؤں کا ہوگا
رنگ سہما گھٹاؤں کا ہو گا
بادلوں میں رہیں گے اور یہاں
اک بسیرا دعاؤں کا ہوگا
اس زمیں پر نہ بھاگ پائیں گے
زخم ہوگا تو پاؤں کا ہوگا
کوئی باشندہ گھر نہ لوٹے گا
سامنا جب قضاؤں کا ہو گا

موت کھیلے گی اور جدا اسلوب
زندگی کی اداؤں کا ہوگا

حباب ہاشمی الہ آباد

حریص طعنۂ اغیار رہنا
غریقِ لذتِ آزار رہنا
بہر صورت نہیں خطرے سے خالی
قریب سایۂ دیوار رہنا
ہمارے واسطے کچھ کم نہیں ہے
نگاہوں میں کسی کی خار رہنا
سراپا عجز رہنا ہے سعادت
مگر ایسے میں بھی خوددار رہنا
لچکنا شاخِ گل کی طرح لیکن
عدو کے سامنے تلوار رہنا
خرد کو خود ہی بغلیں جھانکتی ہیں
جنوں سے بر سرِ پیکار رہنا
حباؔب اس دور میں آساں نہیں ہے
کسی کا صاحبِ کردار رہنا

فیاض عادل فاروقی لندن

زندگی میں مہربانی کیوں نہیں
کوئی اُلفت کی کہانی کیوں نہیں
جو بہے غیروں کے غم پر بھی کبھی
ایسا کچھ آنکھوں میں پانی کیوں نہیں
کارواں دنیا میں ہی کیوں رُک گیا؟
اس کے آگے کو روانی کیوں نہیں
جاں ہتھیلی پر سجی جن کے لئے
ان کو جان کی قدردانی کیوں نہیں؟
حسن کا انداز تو فانی سہی
عشق کا انداز فانی کیوں نہیں؟
دوست تو ہر شخص ہے عادلؔ مگر
محرمِ دردِ نہانی کیوں نہیں

صدیقہ شبنم لندن

کوچہ کوچہ آرزو کے شہر میں چرچا رہا
میرا ذوقِ جستجو بھی کس قدر رُسوا رہا
یاد کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے اس طرح
بس نظر کے سامنے وہ ایک ہی چہرہ رہا
گو کہ اپنی ذات سے ہے یہ سراپا انجمن
محفلوں میں دل مرا لیکن بہت تنہا رہا
رات کی انجانی طاقت سے ہراساں لوگ تھے
سب کے ذہنوں میں مسلط خوف کا سایہ رہا
ہم خود اپنی ذات سے شبنمؔ نہ کھل کے مل سکے
مصلحت اندیشوں کا درمیاں پردہ رہا

رؤف خیر آبادی

کہاں سے روکتا ہے یہ پردہ غبار مجھے
کہ دیکھنا ہے پہاڑوں کے آر پار مجھے
مرے سوا کوئی پورا کہاں اُترتا ہے
بہت ٹٹول چکی ہے نگاہِ یار مجھے
جو پارسا تھا مجھے پارسا نہیں سمجھا
گناہگار نے سمجھا گنہگار مجھے
اسی لئے تو برابر کی چوٹ چلتا ہوں
یہاں کہیں کا نہ رکھے گا انکسار مجھے
خدا گواہ کہ قاتل تو میں قصاص کا ہوں
ہے خوں بہا کا بھی ہر چند اختیار مجھے
میں دُشمنی کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا
سو راس آتا ہے یہ کاروبار مجھے
وہ ہو تو ہو کوئی مجبور خیر میں تو نہیں
پائے گا تو کسی کا گلہ گزار مجھے

دنیا کا خطرناک ترین راستہ

۔چین کے پہاڑی سلسلے ہوشان میں ایک راستہ موجود ہے جس سے گزرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔معمولی چاڑائی کا حامل یہ لکڑی کا بنا یہ راستہ ۷۰۰ فٹ کی بلندی سے گزرتا ہے۔جس پر چلنے کے لئے پہاڑ میں کیلوں سے ایک مضبوط رسی لگائی گئی ہے لکڑی کا یہ راستہ تقریباً ۷۰۰ سال قبل تیار کیا گیا تھا۔اور آج بھی اسی طرح قائم ہے۔ہر سال ہزاروں سیاح رسی کی مدد سے اس راستے پر چلتے ہیں۔اور دنیا کے خطرناک راستے پر چلنے کا لطف اُٹھاتے ہیں۔

کھوپڑی میں پنسل کی موجودگی سے لاعلم شخص۔

ایک شخص بچپن میں لگنے والی چوٹ سے ۱۵ سال لاعلم رہا، بتایا گیا ہے کہ جرمنی میں ایک ۲۴ سالہ افغانی باشندے کو اکثر سردرد کی شکایت رہتی تھی۔ڈاکٹرز نے جب معائنہ کیا تو

اس میں ۱۴انچ لمبی پنسل موجود تھی۔ جو بچپن میں اس کے دماغ میں گُھس گئی تھی۔اور وہ اب تک اس سے لاعلم تھا۔ڈاکٹرز نے کامیاب اپریشن کے بعد وہ پنسل اس کی کھوپڑی سے نکال لی ہے۔ جس کے بعد مذکورہ شخص جلدی سے صحت یاب ہو رہا ہے۔اور اس کے سر کی درد بھی ختم ہوگئی ہے۔

پیسہ کمانے کی دُھن انسان کو اکیلا کر دیتی ہے۔ محققین کا خیال ہے۔کہ پیسہ کمانے کی دُھن انسان کو اکیلا کر دیتی ہے ۔ہر وقت دولت کے خیال میں رہنے والا شخص لوگوں سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔اور ایسے لوگوں کا سماجی میل جول بھی کم ہو جاتا ہے۔اور ایسے لوگ محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ محققین کا کہنا ہے کہ پیسہ انسان کی ضرورت ہے تاہم یہ انسان کی نفسیات پر اثر انداز ہوتا ہے۔اور پیسہ کمانے اور بچانے والے لوگ ہر شے کو اور ہر رشتے کو اسی کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔جس کی وجہ سے وہ زیادہ میل جول نہیں رکھ پاتے۔اور ان کے سماجی تعلقات بھی محدود ہوتے ہیں۔

کافی پینا جگر کی بیماریوں کے خاتمے کا ایک موثر طریقہ ہے۔

ایک نئ تحقیق کے مطابق عام روٹین میں کافی پینے سے جگر کی بیماریوں کو روکنا ممکن ہے۔ امریکہ کے میوکلینک میں کی جانے والی نئ تحقیق کے نتائج کے مطابق کافی پینے سے جگر کی بیماری سے بچاؤ ممکن ہے۔اس بیماری کی وجہ سے جگر ناکارہ ہوسکتا ہے۔اور اس بیماری سے انسان جگر کے کینسر میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے۔ڈاکٹر کریگ لیمر گیسٹرو اینٹرولوجی معدہ اور چھوٹی آنت کی بیماریوں کے ماہر ہیں جنہوں نے اس ریسرچ پر کام کیا (روز نامہ جنگ ۲۴مئی ۲۰۱۳)

ساقی اندروی انڈیا

صبح ہونا تھا شام ہونا تھا
جھوٹ کا فیضِ عام ہونا تھا
دوستی پیار اور خلوص و وفا
ان کا کچھ اور نام ہونا تھا
آج کی طرح گزری صدیوں میں
جرم کا احترام ہونا تھا
لوٹ چوری ہو قتل ڈاکا ہو
کام والوں کا کام ہونا تھا
پھر رہا ہے وہ آج آوارہ
جس کو قایم مقام ہونا تھا
وقت،لے آج ہو گیا وہ بھی
تجھ کو جس کا غلام ہونا تھا
تیرے بادہ کشوں کے ہاتھوں میں
ساقی نسبت کا جام ہونا تھا

اختر شاہجہان پوری

سمندر سب کے سب پایاب سے ہیں
تیرے خط میں جو اشکوں کے نشاں سے تھے
وہی اب کرمک شب تاب سے ہیں
چھلک اُٹھتا ہے سازِ زندگانی
ترے الفاظ بھی مضراب سے ہیں
دلوں میں کرب بڑھتا جا رہا ہے
مگر چہرے ابھی شاداب سے ہیں
ہمارے زخم روشن ہو رہے ہیں
مسیحا اس لئے بے تاب سے ہیں
وہ جگنو ہو ستارہ ہو کہ آنسو
اندھیرے میں سبھی مہتاب سے ہیں
کبھی نشتر کبھی مرہم سمجھنا
مرے اشعار بھی احباب سے ہیں
خوشی تیرا مقدر ہو گی اختر
یہ امکاں اب خیال و خواب سے ہیں

یشب تمنا

گلہ کریں بھی تو کیا اس کی سر گرانی میں
یوں کوئی جیت سکا ہے جہاں میں پانی سے
بجا کہ سر کشی والی سرشت اس کی ہے
پر اس کو روکنا ممکن ہے بے کرانی میں
اسے بتا دیا جائے گر قرینے سے
بڑے سکوں سے چلا جائے گا روانی سے
جو اپنی دُھن میں چلا جا رہا ہو تو مت روکو
وہ ملنے جارہا ہوتا ہے اپنے ثانی سے
میانِ شہر بھی انگلی پکڑ کے چلتا ہے
گر اسے قید کیا جائے جاں فشانی سے
یہاں تک تو ہمیں رہبر ہی لائے ہیں
کبھی ذرا جو یہ رُک جائے کھینچا تانی سے
یہ مشکلیں تو کوئی مشکلیں نہیں ہیں یشب
خدا کرے کبھی ٹوٹیں نہ بدگمانی سے

ساحر شیوی

پل پل آنکھیں چار کرو ہو

مجھ سے کتنا پیار کرو ہو
پھر غم کو بیدار کرو ہو
یہ کیوں اسے دلدار کرو ہو
اونچے لوگوں سے کیا آشنا
جیون کیوں مسمار کرو ہو
جینا بھی آسان نہیں تھا
مرنا بھی دُشوار کرو ہو
لوگ تمہارے پیچھے پیچھے
کون سا کاروبار کرو ہو
بے باکی سی طوفانوں میں
من کی نیا پار کرو ہو
میرا من رکھنے کے کارن
شاید تم اقرار کرو ہو
شیش محل کے باسی ہو تم
کیا کالا کاروبار کرو ہو
ہاتھ نہیں آتا جو کسی کے
اس سائے سے پیار کرو ہو
آنکھوں میں سوا افسانے ہیں
کس غم کا اظہار کرو ہو
من میں چپکے سے آکر تم
صحرا کو گلزار کرو ہو
ڈوب گئے ہو غم میں تم بھی
ہم کو بھی بیمار کرو ہو
ساحل تک ہو کیسے رسائی
کشتی بے پتوار کرو ہو
توڑ کر ساحر اپنے وچن
میرے دل پر وار کرو ہو

پروین شاکر

کو بکو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی
کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اُس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رُسوائی کی
وہ کہیں بھی گیا، لوٹا تو میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی میرے ہرجائی کی
تیرا پہلو تیرے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شبِ تنہائی کی
اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک آگئی تاثیر مسیحائی کی
اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اُٹھیں ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

پاکستان کے ایک مایہ ناز سپوت، **جناب ایم ایم احمد صاحب**

ایک ذہین ،دیانتدار عظیم ماہراقتصادیات۔

نائب صدر عالمی بنک (اے آر راجپوت)

صاحبزادہ مرزامظفراحمد صاحب جوایم ایم احمد صاحب سے معروف تھے۔آپ کودس سال تک ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۲ء تک پاکستان کی اقتصادیات کے استحکام اور ترقی کے لئے ان تھک مساعی کی توفیق ملی۔آپ صدر محمد ایوب خاں صاحب کے دور میں منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئر مین رہے۔ پاکستان کا یہ دور معاشی لحاظ سے سنہری کہلاتا ہے ۔آپ ۱۳ جنوری ۱۹۱۳ء کو قادیان میں صاحبزادہ مرزابشیر احمد صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم قادیان سے حاصل کی۔گورنمنٹ کالج لاہور سے ہسٹری میں ایم اے کیا۔اس دوران لاء کالج میں داخلہ لیا۔۱۹۳۳ء میں آئی ایس آئی کے ارادہ سے لندن آگئے ۔آئی ایس آئی کے بعد ایک سال آکسفورڈ یونیورسٹی لندن میں گزارا۔اور ۱۹۳۸ء میں واپس وطن پہنچ گئے۔اپنی ملازمت کا آغاز یوپی کے قصبہ گوڑ گاؤں سے کیا۔جہاں مسلمانوں کے لئے حفاظتی انتظامات کی توفیق ملی۔اگست ۱۹۴۷ء میں امرتسر میں ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کے طور پر کام کیا۔قیام پاکستان کے بعد ضلع سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر لگائے گئے۔کیونکہ یہ ضلع سرحدی تھا اور مہاجرین کی آمدورفت بہت زیادہ تھی۔مگر آپ نے نہایت مستعدی سے خدمات انجام دیں۔ایک دفعہ بیان کرتے ہیں ۔کہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ مجھے پیغام ملا کہ ایک شخص مجھ سے ملنا چاہتا ہے مگر وہ اندر نہیں آسکتا۔میں خود باہر نکلا تو دیکھا کہ وہ معذور ہے اس نے مجھے بتایا کہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن جو ریڈ کراس کی چیئر مین تھیں ME CENTER میں آئی ہوئی ہیں۔اور سینٹر کا سامان ریلوے کی چودہ ویگنوں میں لوڈ کروا کر انڈیا روانہ کرنے کا آرڈر دے چکی ہیں۔میں نے اسی وقت ریلوے کے ہیڈ کو فون کر کے وہ سامان رکوادیا۔بعد میں مجھے ایک جرنیل کا فون آیا کہ تم لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔میں نے جواب دیا کہ میں اس وقت صرف پاکستان گورنمنٹ کا ملازم ہوں۔اسی طرح کشمیر کی آزادی کے لئے مجاہدین کی ہر طرح سے مدد کرنے کا موقع ملا۔اور بھرپور طریق پر مہاجرین کو اسلحہ وخوراک اور نقل وحمل میں

رکاوٹ نہ آنے دی ڈپٹی کمشنر میانوالی خدمات کے بعد ایڈیشنل کمشنر لاہور بنا دیئے گئے۔اور ۱۹۵۱ء میں مرکزی سیکٹری مالیات بنائے گئے ۔۱۹۶۲ء میں مرکزی حکومت میں سیکٹری کامرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔صدر محمد ایوب خاں صاحب نے آپ کو منصوبہ بندی کمیشن ڈپٹی چیئرمین نامزد کیا۔چیئرمین صدر خود تھے۔ایوب خاں کے دور میں پاکستان میں صنعتی انقلاب رونما ہوا۔بڑے بڑے شہروں کے اطراف میں دور دور تک صنعتیں لگنی شروع ہو گئیں۔لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، فیصل آباد کے گردونواح، کراچی حیدرآباد روڈ پر صنعتوں کا قیام جو آپ کو نظر آتا ہے۔وہ ایوب خاں کے دور کی یادگار ہیں۔پاکستان جلد ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے والا تھا۔ کہ ایوب خان بیمار ہو گئے۔تو صدر عالمی بنک نے بذریعہ تار تشویش کا اظہار کیا کہ اگر آپ پانچ سال مزید اس نظام کو چلا سکتے تو پاکستان یقینی طور پر ترقی یافتہ ملک بن جاتا۔ اور اپنے قرضے اتارنے کے قابل ہو جاتا۔ایوب خاں کے بعد یحیٰی خان کے دور میں آپ کو صدر پاکستان کا اقتصادی مشیر مقرر کیا گیا یہ عہدہ مرکزی وزیر کے برابر تھا۔آپ نے اس دور میں بھی پاکستان کے اقتصادی حالات کو سنبھالا دینے کی مقدور بھر کوشش جاری رکھی۔۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۲ء جو اقتصادی بجٹ پیش کیا۔جس کو ماہرین معاشیات نے نہ صرف سراہا بلکہ بہترین بجٹ قرار دیا۔پاکستان ٹائمز نے ۲۷جون ۱۹۷۱ء کو اپنے اخبار میں ان الفاظ میں سرخی لگائی۔خود اعتمادی اور کفایت شعاری کا بجٹ۔دوسری سرخی یہ تھی بجٹ تجاویز کے حقیقت پسند ہونے کا خیر مقدم کیا گیا۔تفصیل یہ تھی۔''ہفتے کے روز بجٹ پیش کیا گیا اس کا لاہور شہر میں بڑے اطمینان کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا کیونکہ نئے ٹیکسوں کے متعلق جو تجاویز رکھی گئی ہیں ان کا عام آدمی پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا ۔روزنامہ نوائے وقت نے اپنی ۲۷ جون ۱۹۷۱ء کی اشاعت میں ''حقیقت پسندانہ بجٹ'' کے عنوان سے اداریے میں لکھا۔''اس سال مشرقی پاکستان میں بغاوت و شورش کے باعث ملک وملت میں اقتصادی زبوں حالی سے دوچار ہو گئے تھے۔اس کے پیش نظر نئے ٹیکسوں کا نفاذ یا مروجہ ٹیکسوں میں اضافہ کا امکان کچھ ناگزیر سا نظر آنے لگا تھا اور کم وبیش ہر شعبہ زندگی کے لوگ اپنے ذہنوں کو ممکنہ ٹیکسوں کا مزید بوجھ قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔لیکن یہ بڑے اطمینان کی بات ہے کہ نیا بجٹ تیار کرنے والوں نے خاص حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔اور ایسے لوگوں پر ٹیکس عائد کئے گئے ہیں جو واقعی ٹیکس ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔نئے میزانیہ کا یہ پہلو بھی بڑا خوشگوار ہے کہ اس میں ہوشربا گرانی کی چکی میں پسنے والے عوام کو کچھ سہولتیں دینے کی غرض سے اقدامات کئے گئے ہیں۔''مارچ ۱۹۷۰ء میں مشرقی پاکستان میں سٹیٹ بنک اور دیگر بینکوں کو لوٹنے سے نیشنل عوامی پارٹی کے کارکنوں کے پاس پاکستانی کرنسی کے انبار لگ گئے۔وہ ہندوستانی سمگلروں سے ملکر پاکستان سے اشیاء خریدنے اور براستہ ہندوستان مشرقی پاکستان میں لے جانے اور باغیوں کی مدد کرتے۔پاکستان میں افراط زر کا ایک سیلاب آنے کو تھا۔جناب ایم ایم احمد صاحب کی فہم وفراست نے اقتصادی حالت کو بروقت بھانپ لیا چنانچہ آپ نے پانچ سو اور ایک سو روپے والے کرنسی نوٹ کی قانونی حیثیت ختم کر دی۔جس سے پاکستان اقتصادی تباہی سے بچ گیا اور روپے کی گرتی ہوئی قدر میں ٹھہراؤ آ گیا روزنامہ نوائے وقت جناب ایم ایم احمد کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے لکھتا ہے۔''بڑے کرنسی نوٹوں کی منسوخی نے سمگلنگ ختم کرنے کا بہترین موقع پیدا کر دیا افغانستان کے سکھ اور ہندو سمگلروں کا کاروبار تباہ ہو گیا۔''لاہور ۲۴جون (چیف رپورٹر) پاکستان کرنسی کے بڑے نوٹوں کی منسوخی سے حکومت بھارت کو کم از کم پچاس کروڑ روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔بھارتی حکومت نے پاکستان کی معیشت کو تباہ کرنے کے لئے پاکستانی کرنسی کے پانچ سو کے اور ایک سو کے مشرقی پاکستان سے لُوٹے ہوئے نوٹ اپنے مداخلت کاروں سے خریدے تھے۔لیکن بھارت کی یہ سازش خود اس کے لئے زبردست مالی نقصان کی باعث بن گئی۔اور پاکستانی نوٹوں کی بروقت منسوخی سے سب سے زیادہ نقصان پاکستان دشمن اندرا حکومت کو اٹھانا پڑا۔(نوائے وقت ۲۵ جون ۱۹۷۱ء)

پاکستانی روپے کا ڈالر کے ساتھ منسلک کرنے کا فیصلہ۔ایوب حکومت میں پاکستانی روپے کو ڈالر سے منسلک کر دیا گیا۔جس سے پاکستانی کرنسی پر بڑے خوش کن اثرات پڑے تھے۔اور پاکستانی روپے کو کافی استحکام ملا تھا۔۱۹۷۲ء میں جب بھٹو حکومت برسر اقتدار آئی تو پاکستانی روپے کی قیمت بہت ہی کم کر دی گئی۔جبکہ اس کمی کے اثرات پاکستانی معیشت پر پڑنے لگے تو بھٹو صاحب نے جناب ایم ایم صاحب سے رابطہ کیا۔اس سلسلہ میں ایم ایم صاحب بیان کرتے ہیں۔''روپے کی قیمت میں کمی کر دی گئی اس سے پہلے ڈالر کے مقابلے میں ساڑھے سات تھی انہوں نے گیارہ روپے کر دی تو جب ۱۱ روپے ہوئی تو صدر صاحب نے مجھے بلوایا۔آئی ایم ایف کے ساتھ اس وقت غلام اسحاق خاں اور آفتاب قاضی نے بات کی تھی تو صدر نے مجھے بلوایا اور کہا یہ بہت زیادہ ہے میں اس سلسلے میں بات کروں میں نے آئی ایم ایف سے بات کی۔تو انہوں بتایا کہ یہ تو پاکستان کی جانب سے بذات خودکمی کی گئی ہے۔اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔میں نے غلام اسحاق خاں سے بات کی کہ یہ آپ نے کیوں کیا اتنی زیادہ کمی کیوں کر دی۔یہ تو بہت زیادہ ہے کہنے لگے ہاں میں مانتا ہوں یہ بہت زیادہ ہے لیکن یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ اگر ڈی ویلیوئشن کامیاب کرنا ہے تو ایک ہی جمپ میں ایسے لیول پر لے جاؤ کہ پھر دوبارہ مستقل قریب میں جلدی کمی نہ کرنی پڑے ۔(ہفت روزہ حریت اسلام آباد ۲جنوری ۱۹۹۷ء)

۱۹۷۲ء میں آپ استعفےٰ دے کر ورلڈ بینک میں چلے گئے۔اور''نائب صدر عالمی بنک'' اور آئی ایم ایف کے ایگزیکٹو سیکٹری ۱۹۸۴ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔اس دوران بھی آپ نے پاکستان کے مفاد کو مدنظر رکھا۔جہاں بھی پاکستان کو فائدہ پہنچایا جا سکتا تھا آپ اس میں عمر بھر کوشاں رہے۔ورلڈ بنک سے ریٹائرڈ ہو کر آپ نے امریکہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور اس دوران بھی آپ وطن عزیز کی بہتری کے لئے

کوشاں رہے۔ ۱۹۸۹ء میں جب پریسلر ترمیم سے امریکہ نے پاکستان پر اقتصادی پابندیاں لگا کر امداد بند کردی تھی تو آپ نے یہ پابندیاں اٹھانے میں بہت کوششیں کیں بلکہ اپنا ذاتی اثر و رسوخ بھی استعمال کیا۔ آپ یہاں فرماتے ہیں:۔ ہماری جماعت (امریکہ) میں چالیس کے قریب کمیٹیاں ہیں ان سب کو لکھا کہ اپنے اپنے ایم این اے حضرات اور سینیٹرز کو کہیں کہ وہ اپنا اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں اور کام کریں خاصکر ۴ ممبرز جن کی کمیٹی بیٹھی تھی ان پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اس سلسلے میں بھر پور کوشش کریں۔ میرے اپنے امریکن دوست تھے گورنر ریٹائرڈ ۔ ان سے میں نے بات کی ان کی میں نے پریسلر سے بات کروائی اس حوالے سے جو سب سے موثر آدمی تھا وہ ری پبلکن تھا۔ اور یہ بھی ری پبلکن تھے۔ میں نے ان سے بھی کہلوایا تو اس نے کہا کہ تم فون کر کے آجانا اور میں اس سلسلے میں بھرپور کوشش کا وعدہ کرتا ہوں۔ اس طرح میرے اور پروفیسر دوست تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ تم کیوں کرتے ہو جب تمہارے خلاف اس اس قدر زہر اگلا جاتا ہے۔ پھر تم کیوں اسقدر کوشش کر رہے ہو تو میں نے ان سے کہا ہماری مخالفت گورنمنٹ کی پالیسی سے ہے لیکن ہماری مخالفت کا کوئی بھی اور ذرہ سا حصہ پاکستان کے خلاف نہیں ہے۔ ہم ملک کے اتنے ہی وفادار ہیں جتنا کہ کسی محبِّ وطن کو ہونا چاہیئے۔ ہم ملک کے مفاد میں ہمیشہ کام کرتے آئے ہیں اور جہاں بھی ضرورت پڑے گی ہم کام کریں گے ۔ ۔ (ہفت روزہ حریت اسلام آباد ۲ جنوری ۱۹۹۷ء) صدر یحیٰی خان کی بیرون ملک ایران روانگی کے موقع پر آپ کو قائم مقام صدر پاکستان ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ اس دوران ایک معاند احمدیت اسلم قریشی نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس وجہ سے آپ زخمی ہو گئے تھے۔ آپ کو جماعت احمدیہ کے امیر جماعت امریکہ ہونے کا اعزاز تا وفات حاصل رہا آپ ۲۳ جولائی ۲۰۰۲ء کو امریکہ کے ایک ہسپتال میں ۸۹ برس کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

غزل عاصی صحرائی

شکایت کر رہی ہے یہ زمیں بھی بے زبانی میں
اِدھر آؤ مرے ہمدم لگا دو آگ پانی میں
سَرِ منطق تک آئی ہیں خطائیں بے خیالی میں
اُنہیں رکھیں گے ہم محفوظ ساری زندگانی میں
ذرا سی بات پر خوش ہو ذرا سی بات پر نالاں
حیاتِ عارضی کو ڈھال دو شعلہ بیانی میں
محبت کا سلیقہ بھی کبھی آ جائے گا تم کو
کبھی مہمان بن جاؤ تم اپنی میز بانی میں
کبھی تو عمر کٹ جاتی ہے اُن کی مہربانی میں
کبھی دھوکا سا ہوتا ہے صباحت کی روانی میں
کبھی محمل سے ہم کو پھینک دیتے ہیں سرِ صحرا
کبھی دے کر سہارا خوش ہوئے ہیں ناگہانی میں

منور احمد کنڈے

دھرتی کو آکاش نے بخشی اُلفت کی جب بھیک
سمجھ گیا میں رمزِ محبت گہری اور باریک
چشمِ ساقی، زلفِ جاناں، دو دھاری تلوار
صبح ہوئی بیدار انہیں سے شام ہوئی تاریک
بہتی گنگا کے دامن میں درد بھرے طوفان
وِدھوا کی آنکھوں میں جیسے اشکوں کی تحریک
مفلس تنہا میں دنیا میں کیا ہے بات عجیب
جو مالک ہر ذرّے کا اس کا کون شریک
میں دیوانہ رند منوّر میری بابت سوچ
ہوش میں تو رہنے والے تو ہیں پہلے ہی سے ٹھیک
دین کے نام پر خون بہائیں دیس کی دولت لُوٹیں
اک دوجے کو پیش کریں پھر ہدیہء تبریک

رضیہ اسمٰعیل

اے کاش سرِ صحرا اک پھول کھلا ہوتا
اس پھول کے پہلو میں اک دیپ جلا ہوتا
کچھ غم تو اندھیرے کا جھونکوں پہ گھٹا ہوتا
اے کاش ہواؤں کے ہاتھوں میں دیا ہوتا
راتوں کا اندھیرا ہے ،تنہائی ہے اور میں ہوں
ایسے میں کوئی جگنو پہلو سے لگا ہوتا
گھر ڈھونڈنے نکلے تھے ،ویرانے میں آپہنچے
اے کاش کہ رستوں میں تیرا نام لکھا ہوتا
ہے جال اندھیروں کا، جاؤں تو کدھر جاؤں
رستے میں تیرے گھر کے اک دیپ جلا ہوتا
تو اور کہیں پر ہے ،میں اور کہیں پر ہوں
میں تجھ کو ملی ہوتی ،تو مجھ کو ملا ہوتا

غزل۔۔۔۔محمد فاروق نسیم برمنگھم

بظاہر جو رنج و الم دیکھتے ہیں
حقیقت میں رحم و کرم دیکھتے ہیں

شقاوت سے آنکھیں جو پتھرا گئیں تھیں
مصائب میں اُن کو بھی نم دیکھتے ہیں

کچھ انساں ہیں گردش میں ایسے ملوث
جو دن ہی میں راتوں کا غم دیکھتے ہیں

برستی ہے رحمت شب و روز اُس کی
کرشمے خدا کی قسم دیکھتے ہیں

جہاں، '' پَر '' فرشتے کے جلتے ہیں یارو
وہاں ہم نبیؐ کے قدم دیکھتے ہیں

خوشی سے تو کعبہ پہ نظریں گڑی ہیں
بہر سُو ضیائے حرم دیکھتے ہیں

جو دیوار حائل ہے دیر و حرم میں
گرا دے کوئی اُس کا دم دیکھتے ہیں

ہمیں زندگی نے یہ موقع بخشا ہے
زمانے کے ہم پیچ و خم دیکھتے ہیں

لگے اپنی فکر و نظر پہ ہیں پہرے
جو گذری ہے مشقِ ستم دیکھتے ہیں

نہ کر قید ظالم نگاہوں کو میری
نگاہوں سے ہم زیر و بم دیکھتے ہیں

نہ باطل کی طاقت سے ہم دبنے والے
چلو چل کے میداں میں ہم دیکھتے ہیں

نشے میں حکومت کے بد مست حاکم
غریبوں کے حالات کم دیکھتے ہیں

سیاست کا تکیہ ہے سوناميوں پر
ہے جیبوں میں کتنی رقم دیکھتے ہیں

سمجھتی ہے دنیا ترقی ہوئی ہے
کمی قدرِ انساں میں ہم دیکھتے ہیں

جو اخلاق سے جیت لیں ہر کسی کو
وہ دنیا میں باغِ ارم دیکھتے ہیں

گیا دورِ اُلفت گئی عاشقی بھی
تصور میں اب بھی صنم دیکھتے ہیں

اُتر کر نسیمؔ اب جہانِ ادب میں
تماشائے اہلِ قلم دیکھتے ہیں

حضرت ابوبکرصدیق خلیفہ اول رضی اللہ عنہ

ابن لطیف

آپ کا نام عبداللہ تھا۔والد کا نام عثمان بن عامر اور کنیت ابوقحافہ تھی۔آپ کا شجرہ نسب آٹھویں پشت میں آنحضرت ﷺ سے جاملتا ہے آپ نبی کریم ﷺ سے دوسال بعد پیدا ہوئے۔آنحضرت ﷺ حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد آپ کے محلے میں سکونت پذیر ہوئے۔اس دوران آپ کے دوستانہ مراسم

گہرے ہوتے گئے۔تقریباً ایک ہی قسم کی پاکیزہ عادات، نیک خیالات اور پاک و صاف دل رکھنے کے باعث دوستی گہری ہوتی گئی۔اس زمانے میں حضرت ابوبکرؓ نے رویا میں دیکھا کہ مکہ میں چاند اُترا ہے۔اوراس کی سب گھروں میں روشنی پھیل گئی ہے پھر وہ ابوبکر کی آغوش میں اکٹھا ہوگیا۔بعض اہل کتاب سے اس کی تعبیر کا پتہ چلا کہ موعود نبی ظاہر ہوگا۔جب رسول اکرم ﷺ نے دعویٰ نبوت کیا۔آپ اس وقت بغرض تجارتی سفر مکہ سے باہر تھے۔آپ کو جب دعویٰ کی خبر ہوئی تو استفسار پر آپ ﷺ نے بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم مجھ پر ایمان لاؤ تو حضرت ابوبکرؓ نے فوراً بیعت کرلی۔اور یوں ان کے اسلام لانے پر حضور ﷺ بہت خوش ہوئے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔''جب لوگوں نے انکار کیا ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی۔اور اپنے مال اور جان سے میری مدد کی۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بہت تکالیف اُٹھائیں۔آپؓ کو بعض دفعہ قریش نے اتنا مارا کہ سر کے بال گر گئے۔کیونکہ کفار آپ کے سر اور داڑھی کے بالوں کو پکڑ کر کھینچتے تھے۔ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے جبکہ مسلمان چالیس سے بھی کم تھے۔آپ نے خانہ کعبہ

میں کفار کو دعوت اسلام دی۔ جس پر کفار نے پاؤں سے اور جوتوں سے اتنا مارا کہ آپ کا حلیہ بگڑ گیا۔ اور آپ پہچانے نہ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو کپڑے میں ڈال کر گھر پہنچایا گیا۔ اندیشہ تھا کہ جانبر نہ ہوسکیں۔ بے ہوشی میں کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ شام کو جب ہوش آیا تو پہلا سوال تھا کہ میرے آقا کا کیا حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو تو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔؟ بیعت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ اور ہمیشہ اشاعت دین کی خاطر حضور ﷺ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے کمربستہ رہے اور اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی۔ ایک دفعہ ایک کافر نے حضرت رسول اللہ ﷺ کے گلے میں کپڑا ڈال کر بل دینے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے۔ آنحضور ﷺ کو کافروں سے چھڑایا اور کہا'' کیا تم ایک شخص کو اس کئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ اس پر ان ظالموں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑ لیا اور مار مار کر بے حال کر دیا۔ آپؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ پاک ہے اللہ جو جلال اور عزت والا ہے۔ نوفل بن خویلد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور حضرت طلحہؓ کو رسی سے باندھ دیا کرتا تھا تا کہ یہ دینی کاموں سے رُک جائیں مگر آپ ثابت قدم رہے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے ہجرت مدینہ کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔'' ابوبکر انتظار کرو شاید اللہ تمہارا کوئی اور ساتھی پیدا کر دے''۔ چند دن بعد جب کفار مکہ نے دارالندوہ میں آپ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا تو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو بتایا کہ اجازت ہجرت مل گئی ہے۔ فوراً عرض کیا'' الصحبة یا رسولا للہ '' کہ یارسول اللہ اپنے اس غلام کو ہمراہی کا شرف بخشیں۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں۔ کہ ہمارے ابا نے راہ خدا میں خرچ کرنے کے بعد ہجرت کے لئے جو کچھ بچا رکھا تھا۔ وہ بطور زادِراہ ساتھ لے گئے۔ یہ رقم پانچ ہزار درہم کے قریب تھی۔ ہجرت مدینہ کے مبارک سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وفاداری اور جان نثاری کا نمونہ دکھایا وہ عشق و وفا کی منفرد داستان ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دو اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بلا معاوضہ پیش کر دی۔ حضور ﷺ نے قیمت ادا کرنے کی شرط پر قبول فرمائی پھر غار ثور میں جان خطرہ میں ڈال کر حضور ﷺ کی معیت کی توفیق پائی۔ جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا۔ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار (سورہ توبہ آیت ۴۰) یعنی وہ دو میں سے دوسرا جبکہ وہ غار میں تھے۔۔۔۔۔۔۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام غزوات میں بدر سے فتح مکہ تک شرکت کی۔ آپ ﷺ کے معاون و مددگار اور سلطان نصیر رہے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب رسول اکرم ﷺ کو نکاح کی ضرورت پیش آئی تو عمروں کے تفاوت کے باوجود نہ صرف اپنی لختِ جگر حضرت عائشہ کا رشتہ بخوشی پیش کر دیا تھا بلکہ حضور ﷺ کی ضرورت کے پیش نظر جلد رخصتی کی خاطر آپ کے لئے حق مہر کا انتظام بھی خود کیا۔ غزوہ بدر کے موقع پر حضور ﷺ کے لئے ایک جھونپڑی بغرض حفاظت بنائی گئی۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں'' کہ ہم سوچ رہے تھے کہ اس نازک جگہ پر مشرکین کے حملہ سے حفاظت کے لئے کون ڈیوٹی دے۔ کہ معاً حضرت ابوبکرؓ تلوار سونتے وہاں کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جو حملہ آور اس طرف بڑھے گا میں اس کا کام تمام کر دوں گا۔ بلا شبہ ابوبکرؓ ایک بہادر انسان تھے۔ غزوہ اُحد میں حضور ﷺ حضرت ابوبکر ﷺ کی شجاعت اور بہادری دیکھ کر فرماتے تھے۔'' آپ اپنی تلوار روک رکھیں ہمیں آپ کی ذات کا نقصان قبول نہیں''۔ اُحد کے بعد حضور ﷺ نے دشمن کے تعاقب کا فیصلہ فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ ان جاں نثاروں میں سے تھے۔ جنہوں نے آپ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور غزوہ حمراء الاسد میں شرکت کی۔ غزوہ بنو مصطلق میں مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت کے وفادار ساتھی فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی دائیں جانب ہوتے ہوئے فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔ فتح مکہ کے اگلے سال حضور ﷺ جب حج پر نہ جاسکے تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ حجۃ الوداع کے اگلے سال دس ہجری میں رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے اور مسجد میں نماز پڑھانے تشریف نہ لے جاسکے تو نماز کی امامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصے میں آئی۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کئی عرب قبائل نے مرتد ہو کر بغاوت کر دی اور زکوۃ دینے سے انکاری ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی مسلمانوں کی وحدت قائم رکھنے اور باغیوں اور منکرین زکوۃ کا قلع قمع کیا۔ فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں جو اُونٹ کی نکیل بھی زکوۃ میں دیتا تھا وہ جب تک وصول نہ کر لوں جنگ کروں گا۔ حضرت اسامہ کا لشکر روکنے کے اور لوگوں کے علاوہ حضرت عمرؓ جیسا دل گردے والا شخص بھی یہی مشورہ دیتا ہے تو حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں۔'' خدا کی قسم! اگر مجھے یقین ہو کہ درندے مدینہ میں آ کر میرا جسم نوچ لیں گے تب بھی میں اسامہؓ کے اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا جس کے لئے رسول خدا ﷺ نے خود ارشاد فرمایا تھا۔ آپ نے باغیوں اور منکرین و مرتدین کے نام زبردست خطوط لکھے جن میں اطاعت قبول کرنے والوں سے صلح اور باغیوں سے جنگ کا اعلان تھا۔ سارا عرب پھر زکوۃ دینے لگا۔ ان خطرناک حالات میں حضرت اسامہ کا لشکر بھی آپ نے بھجوایا اس کے علاوہ جمع قرآن کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔ میرے آقا نے فرمایا۔ ابوبکر ایک عظیم بہادر، جری، عبقری اور مرد خدا تھا۔ اس نے ہر اس شخص سے مقابلہ کیا جس نے اسلام کو چھوڑا۔ اس نے اسلام کی اشاعت کے لئے شدائد برداشت کیں۔۔۔۔۔۔۔ اگر صدیق اکبر نہ ہوتا تو اسلام کے اندر ضعف داخل ہو جاتا اسلام کو جو حسن و جمال اور سرسبزی و شادابی بخشی وہ ابوبکرؓ ہی کی وجہ سے عطا فرمائی۔ اس نے کوئی اجر نہیں مانگا اور رضائے باری کے لئے

یہ سب کام کیا۔ اے اللہ تو ہم پر رحم فرما۔ آمین (ماخوذ)

بعض اشعار جو ضرب المثل بن گئے

عاصی صحرائی

نہیں تیرا نشیمن تختِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

اس شعر کے حوالے سے یہ تاثر عام پایا جاتا ہے کہ یہ علامہ اقبال کا ہے مگر یہ شعر کسی گم نام شاعر کا ہے۔ اسی طرح یہ نعتیہ شعر امام دین گجراتی کا ہے۔

محمدؐ کا جہاں پر آستاں ہے
زمیں کا اتنا ٹکڑا آسماں ہے

ذیل میں ضرب المثل بن جانے والے مصرعوں کو مکمل اشعار کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرہ خوں نکلا
(آتش)

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا
(اختر انصاری)

اب اُداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں
(شعیب بن عزیز)

ٹوٹا نہیں ابھی اشکوں سے ابھی ضبط کا پشتہ
پانی ابھی خطرے کے نشاں تک نہیں آیا
(یزدانی جالندھری)

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا
(اکبر الٰہ آبادی)

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا
(صفی لکھنوی)

غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگِ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک
(غالب)

نیرنگیِ سیاستِ دوراں تو دیکھئے
منزل اُنہیں ملی جو شریکِ سفر نہ تھے
(محسن بھوپالی)

عید کا دن ہے گلے آج تو مل لے
رسمِ دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے
(قمر بدیونی)

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب لبِ بام رہ گیا
(قائم چاند پوری)

ادائے خاص ہے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے
(غالب)

اچھی صورت بھی کیا بُری شے ہے
جس نے ڈالی بُری نظر ڈالی
(کیف ٹونکی)

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا
(مجروح سلطان پوری)

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا
(غالب)

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
(مومن)

وجود زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
(اقبال)

پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا ہی نہیں
اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی
(میر تقی میر)

لائے ہیں اس بُت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے
(پنڈت دیا شنکر نسیم)

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو

زبانِ خلق کو نقارہ خدا سمجھو

(ابراہیم ذوق)

یہ عجیب ماجرا ہے بروز عید قرباں
وہ ذبح بھی کرے ہے، وہی لے ثواب اُلٹا

(مصحفی)

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

(فانی بدایونی)

رنج سے خوگر ہو انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

(غالب)

تاتامی۔۔۔اعزاز لطیف خاں

جاپان میں چاول کی بھوسی سے ایک خاص قسم کی چٹائیاں بنائی جاتی ہیں۔جو گھروں کی زینت بنتی ہیں۔جاپانی زبان میں انکو تاتامی کہتے ہیں۔اور ملک میں اس کو ایک بہت بڑی گھریلو صنعت کی حیثیت حاصل ہے۔اب چٹائیوں کو گھروں کے فرش کے لئے لازمی سمجھا جاتا ہے۔اور ان کے رنگوں کا امتزاج گھر کی زینت بنتا ہے۔چاول چھننے کے بعد اس کی بے کار شاخوں اور تنکوں کو اکھٹا کر لیا جاتا ہے۔اور پھر ان تنکوں کو دبایا جاتا ہے حتیٰ کہ ان کی موٹائی پانچ چھ سنٹی میٹر ہو جاتی ہے اس کے بعد ان کو سخت کرنے کے لئے پٹسن کے دھاگوں سے بنا جاتا ہے۔تاتامی چٹائی بنانے کے اس عمل کو جاپان میں توکو کہتے ہیں۔ہر تاتامی عموماً ۱۸۲ سینٹی میٹر لمبی اور ۹۰ سینٹی میٹر چوڑی ہوتی ہے۔اور جس کا وزن تقریباً ۲۲ کلو ہوتا ہے۔جاپانی گھروں کی لمبائی چوڑائی کا اندازہ بھی تاتامی کے ذریعہ لگایا جاتا ہے۔یعنی کسی گھر کی لمبائی چوڑائی معلوم کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں گھر میں ساڑھے چار یا چھ تاتامی کمروں کے فرش پر بٹھایا جاتا ہے۔جاپان میں تاتامی کو بڑی تعداد میں کارخانوں میں مشینوں کے ذریعہ بنایا جاتا ہے مگر ان چٹائیوں کو لوگ انفرادی طور پر اب بھی ورکشاپوں میں بناتے ہیں۔نئے سال کے شروع میں لوگ پرانی تاتامی چٹائیوں کا کاروبار خزاں کے اخیر سے موسم سرما کے آغاز تک زوروں پر رہتا ہے۔تاتامی کو بطور فرنیچر کے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔تاتامی چٹائی موسم سرما میں گرمائش اور موسم گرما میں ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔چاول کی بیکار بھوسی کی یہ چٹائی جاپان میں گھر گھر پائی جاتی ہے۔

جون ایلیا

چلے جاؤ چلے جانے میں کیا ہے
کبھی آنا بھی مت آنے میں کیا ہے
تامّل کیا ہے ڈھا دو بھی گھروں کو
گھروں کو آخرش ڈھانے میں کیا ہے
جیسے جانا ہی بس ٹھہرا تو یاراں
کسی دن یوں ہی مر جانے میں کیا ہے
نہیں پایا گیا ہونے میں کچھ بھی
تو پھر کھونے میں اور پانے میں کیا ہے
ہے رنگ اور رنگ پرور بھی وہ قاتل
سو اس خون تھکوانے میں کیا ہے
ستاروں کی پڑیاں باندھتا ہوں
دکانِ وہم چمکانے میں کیا ہے

محسن نقوی

میں دل پہ جبر کروں گا تجھے بھلا دوں گا
مروں گا خود بھی تجھے بھی کڑی سزا دوں گا
یہ تیرگی مرے گھر کا ہی کیوں مقدر ہو؟
میں تیرے شہر کے سارے دیئے بجھا دوں گا
وفا کروں گا کسی سوگوار چہرے سے!
پرانی قبر پہ کتبہ نیا سجا دوں گا
اسی خیال میں گزری ہے شام دردِ اکثر
کہ درد حد سے بڑھے گا تو مسکرا دوں گا

دیوارِ چین ۔۔۔۔۔شیراز احمد خاں

حضرت عیسیٰ کی پیدایش سے ۲۰۰ سال قبل چین کے بادشاہ ''شی ہوانگ نی'' نے اپنے ملک دشمنوں سے بچانے کے لئے شمالی سرحد پر ایک دیوار تعمیر کروائی جو کئی سو سال میں مکمل ہوئی۔اس کی تعمیر میں ہزاروں مزدوروں نے حصہ لیا۔اور کئی ہزار مزدور اس کو بناتے وقت اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔کیونکہ یہ پہاڑی علاقے میں بنائی گئی تھی۔کہا جاتا ہے کہ جو مزدور اس کی تعمیر کے وقت مرجاتا اس کی لاش کو اسی دیوار میں چُن دیا جاتا تھا۔بادشاہ نے یہ دیوار چینیوں کے سب سے بڑے دشمن تاتاریوں کے حملے کے ڈر سے بنوائی تھی۔کیونکہ وہ بہت وحشی اور ظالم تھے۔انہوں نے ایشیا میں تباہی مچا رکھی تھی۔اس دیوار کی لمبائی ۲۴۵۰ کلو میٹر اور اونچائی ۲۰ سے ۳۰ فٹ اور چوڑائی نیچے سے ۲۵ فٹ اوپر سے ۱۲ فٹ تک ہے۔ہر ۲۰ گز کے فاصلے پر مضبوط چوکیاں بنائی گئی ہیں۔جن میں سے پہرے دار دشمنوں پر نظر رکھتے تھے۔یہ دیوار خلیج لیاؤ تنگ سے منگولیا اور تبت کے سرحدی علاقوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

فیض احمد فیض

وفائے وعدہ نہیں وعدہ دگر بھی نہیں
وہ مجھ سے رُوٹھے تو تھے لیکن اس قدر بھی نہیں

بَرس رہی ہے حریمِ ہوس میں دولتِ حُسن
گدائے عشق کے کاسے میں اک نظر بھی نہیں
نہ جانے کس لیے امیدوار بیٹھا ہوں
اِک ایسی راہ پہ جو تیری راہگزر بھی نہیں
نگاہِ شوق سرِ بزم بے حجاب نہ ہو
وہ بے خبر ہی سہی اتنے بے خبر بھی نہیں
یہ عہد ترکِ محبت ہے، کس لیے آخر
سکون قلب اِدھر بھی نہیں اُدھر بھی نہیں

احمد ندیم قاسمی

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں،سمندر میں اُتر جاؤں گا
تیرا در چھوڑ کے میں اور کدھر جاؤں گا
گھر میں گھر جاؤں گا ،صحرا میں بکھر جاؤں گا
صرف اِک شخص کو پاؤں گا،جدھر جاؤں گا
اب ترے شہر میں آؤں گا مسافر کی طرح
سیہ ابر کی مانند گزر جاؤں گا
تیرہ پیمانِ وفا راہ کی دیوار بنا
ورنہ سوچا تھا کہ جب چاہوں گا مر جاؤں گا
زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیمؔ
بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا

سیف الدین سیف

مصلحت حرفِ صداقت پہ نہ ڈالے رکھنا
تم اندھیروں میں نہ چھپا کر اُجالے رکھنا
جو بھی آئے گا خدائی کی سند مانگے گا
کچھ نئے دور کی خاطر بھی حوالے رکھنا
موج کہتی ہے کہ میں سر سے گزر جاؤں گی
دل کا فرمان کہ پتوار سنبھالے رکھنا
رفتہء سیل بلا ہوں، یہ مری عادت ہے
اپنی کشتی کسی گرداب میں ڈالے رکھنا
اُس قبیلے سے ہوں جس کا یہ دستور ہے سیف
قتل گاہوں میں الم اپنے سنبھالے رکھنا

ساحر لدھیانوی

محبت ترک کی میں نے گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو زہر یہ بھی پی لیا میں نے
ابھی زندہ ہوں لیکن سوچتا رہتا ہوں خلوت میں
کہ اب تک کس تمنا کے سہارے جی لیا میں نے
انہیں اپنا نہیں سکتا،مگر اتنا بھی کیا کم ہے
کہ کچھ مدت حسیں خوابوں میں جی لیا میں نے
بس اب تو دامنِ دل چھوڑ دو بیکار امیدو!
بہت دکھ سہہ لیے بہت دن جی لیا میں نے

منیر نیازی

بے چین بہت پھرنا گھبرائے ہوئے رہنا
اِک آگ سی جذبوں کی دہکائے ہوئے رہنا
چھلکائے ہوئے چلنا خوشبو لبِ لعلیں کی
اِک باغ سا ساتھ اپنے مہکائے ہوئے رہنا
اس حسن کا شیوہ ہے جب عشق نظر آئے
پردے میں چلے جانا شرمائے ہوئے رہنا
اِک شام سی کر رکھنا کاجل کے کرشمے سے
اک چاند سا آنکھوں میں چمکائے ہوئے رہنا
عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیرؔ اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اُکتائے ہوئے رہنا

احمد فراز

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں
ڈھونڈ اُجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی
یہ خزانے تجھے ممکن ہے خرابوں میں ملیں
غمِ دنیا غمِ یار میں شامل کر لو!
نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں
تو خدا ہے نہ مرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں
اب نہ وہ میں نہ وہ تو ہے نہ وہ ماضی ہے فرازؔ
جیسے دو شخص تمنا کے سرابوں میں ملیں

ساغر صدیقی

جب گلستاں میں بہاروں کے قدم آتے ہیں
یاد بھولے ہوئے یاروں کے کرم آتے ہیں
لوگ جس بزم میں آتے ہیں ستارے لے کر

ہم اُس بزم میں بادیدہء نم آتے ہیں
میں وہ اک رندِ خرابات ہوں مے خانے میں
میرے سجدے کے لئے ساغرِ جم آتے ہیں
اب ملاقات میں وہ گرمیِ جذبات کہاں
اب تو رکھنے وہ محبت کا بھرم آتے ہیں
قُربِ ساقی کی وضاحت تو بڑی مشکل ہے
ایسے لمحے تھے جو تقدیر میں کم آتے ہیں
چشمِ ساغر ہے عبادت کے تصور میں سدا
دل کے کعبے میں خیالوں کے صنم آتے ہیں

مادام تساؤ کا عجائب گھر......دنیا کی تاریخ کا عینی شاہد...عامر امیر

لندن کا مادام تساؤ کا عجائب گھر کسی عجوبے سے کم نہیں۔مادام تساؤ کا عجائب گھر اصل اس بچی کی کہانی ہے جس کا اصل نام ’’میری گروشٹو‘‘ (Groshoitz Marie) تھا۔اس نے ڈاکٹر فلیس کریٹس سے عجیب وغریب موی چیزیں اور مجسمے بنانے کی مہارت حاصل کی تھی۔صرف ۹ برس کی عمر میں فرانس کے شاہ لوئیس ۱۶ کی چھوٹی بہن کو آرٹ کی تربیت دینے پر مامور ہوگئی۔میری نے سب سے پہلے فرانس کے ہلاک ہونے والے بادشاہ اور اس کی ملکہ کے چہرے کے ماسک بنائے۔جسے انقلابیوں نے بہت پسند کیا۔اور پھر میری کو اس کام کے لئے ہی مخصوص کر دیا گیا۔میری کی مجسمہ سازی کی شہرت اور مہارت دور دور تک پھیل گئی۔اسی دوران ایک فرانسیسی بادشاہ فرانسکو تساؤ نے ’’میری‘‘ کی شخصیت اور فن سے متاثر ہو کر اس مجسمہ ساز لڑکی کو شادی کی پیشکش کر دی۔جو کہ اس نے قبول کر لی۔اس طرح ۱۷۹۵ء میں فرانسکو تساؤ سے شادی ہوگئی۔اور یوں ’’میری‘‘ کو نیا نام مادام تساؤ مل گیا۔اس دوران ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔اس کے بعد وہ اپنے کام میں اس قدر مگن ہوگئی کہ اس نے اپنی ازدواجی زندگی کو بھی خیر باد کہہ دیا۔اور ۱۸۰۷ء میں مادام تساؤ نے قانونی طور پر علحدگی حاصل کر لی۔اور پیرس کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر لندن آ گئی۔وہ اپنے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لندن لے آئی۔ ۱۸۰۲ء میں اس نے ’’مادام تساؤ‘‘ میوزیم کی بنیاد رکھی ۔برطانوی حکومت نے اس سے کہا کہ وہ منہ مانگے داموں انقلاب فرانس کے بارے میں نہ صرف ہلاک ہونے والوں بلکہ جنگی عمل کو بھی اپنے فن کی صورت میں قبول کرلے ۔اپنی انہی مصرفیات میں مصروف رہنے کے بعد ۱۸۵۰ء مادام تساؤ اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔کافی عرصے بعد اس کے پوتے نے اس کے کام کو ۱۸۸۴ء میں آگے بڑھایا۔اور اپنی دادی کے گھر کو موی مجسموں کی یادگار بنا دیا۔اور اس جگہ پُر شکوہ عمارت تعمیر کروائی۔جو خود فنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ تھی۔مادام تساؤ نے لندن آنے کے بعد کئی بادشاہوں کے مجسمے بھی بنائے تھے۔آج میوزیم میں ملکہ برطانیہ اور شاہی خاندان کی تمام شخصیات کے مجسمے موجود ہیں۔اس میوزیم کے اندر ایک کمرہ ایسا بھی ہے جہاں پرنس آف ویلز کے علاوہ اس کے درباری اور مصاحبین نظر آتے ہیں۔یہاں پر ملکہ برطانیہ کی والدہ کا مجسمہ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔موی میوزیم میں رکھا ہوا مادام تساؤ کا مجسمہ اس کی موت سے آٹھ سال قبل ۱۸۴۲ء میں بنایا گیا تھا۔مادام تساؤ کے میوزیم میں مہاتما گاندھی کا مجسمہ بھی موجود ہے میوزیم میں جنوبی افریقہ کے عظیم لیڈر نیلسن منڈیلا کا مجسمہ ۱۹۹۱ء میں بنایا گیا تھا۔اس کے علاوہ پوپ جان پال دوم کا مجسمہ بھی موجود ہے۔لیڈی ڈیانا کا مجسمہ ۱۹۹۶ء میں بنایا گیا۔ مادام تساؤ کے خاص چیمبر میں ان لوگوں کے ماسک بھی رکھے گئے ہیں جن کے سر انقلاب فرانس میں قلم کئے گئے تھے۔امریکی صدر کنیڈی کا مجسمہ بھی میوزیم کی زینت ہے۔ان کا مجسمہ ۱۹۶۱ء میں شامل کیا گیا۔اس کے علاوہ عالمی ہیوی ویٹ چیمپین محمد علی کلے، کیوبا کے لیڈر فیڈل کاسترو بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مادام تساؤ کے موی عجائب گھر میں دنیا بھر کے تمام مشہور شخصیتوں مثلاً سربراہان مملکت، بادشاہ، وزیر اعظم، سائنسدان، عالم لیڈر، کھلاڑیوں، اور شو بز سے تعلق رکھنے والوں کے موی مجسمے موجود ہیں۔

ناصر کاظمی

نیت ِ شوق بھر نہ جائے کہیں
تو بھی دل سے اُتر نہ جائے کہیں
آج دیکھا ہے تجھ کو دیر کے بعد
آج کا دن گزر نہ جائے کہیں
نہ ملا کر اُداس لوگوں سے!
حسن تیرا بکھر نہ جائے کہیں
آرزو ہے کہ تو یہاں آئے
اور پھر عمر بھر نہ جائے کہیں
جی جلاتا ہوں اور سوچتا ہوں
رائیگاں یہ ہنر نہ جائے کہیں
آؤ کچھ دیر رو ہی لیں ناصرؔ
پھر یہ دریا اُتر نہ جائے کہیں

پروفیسر ڈاکٹر مظفر حنفی (سابق پروفیسر، اقبال چیئر کلکتہ) رقم طراز ہیں:۔

آدم چغتائی ایک شائستہ، متین، وضعدار اور رَچے ہوئے آدمی ہیں۔ان کی شاعری میں ان کے شخصی اوصاف شائستگی، متانت، پاس روایت، اور ترا شیدگی کی صورت میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ایک نیک خو انسان کے افکار یا جذبات میں جو پاکیزگی اور خوش خصلتی ہونی چاہیئے۔کلامِ آدم میں اس کی واضح جھلکیاں نظر آتی ہیں۔مجھے موصوف کی غزلیہ لہجے کی معصومیت اور سادگی نے بطورِ خاص متاثر کیا۔نغمگی اور گھلاوٹ، خلوص اور خود سپردگی بھی ان کی غزل کے نمایاں اوصاف ہیں۔ان کا تازہ مجموعہ کلام ’’جستجوئے جمال‘‘ منظرِ عام پر آ گیا ہے سرورق مجلد اور دیدہ زیب ہے۔میں توقع کرتا ہوں کہ

اس کی ادبی حلقوں میں خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ پروفیسر ڈاکٹر مظفر حنفی (سابق پروفیسر، اقبال چیئر کلکتہ)

ادا جعفری

گلوں کو چھو کے شمیم دعا نہیں آئی
کھلا ہوا تھا دریچہ، صبا نہیں آئی
ہوائے دشت! ابھی تو جنوں کا موسم تھا
کہاں تھے ہم تری آوازِ پا نہیں آئی
ہم اتنے دور کہاں تھے کہ پھر پلٹ نہ سکیں
سوادِ شہر سے کوئی صدا نہیں آئی
نہ جانے قافلے گزرے کہ ہے قیام ابھی
ابھی چراغ بجھانے ہوا نہیں آئی
ہتھیلیوں کے گلابوں سے خون رِستا رہا
مگر وہ شوخیِ رنگِ حنا نہیں آئی
غیور دل سے نہ مانگی گئی مراد اداؔ
برسنے آپ ہی کالی گھٹا نہیں آئی
بڑھا رہی ہیں مرے دُکھ ، نشانیاں تیری
میں تیرے خط تری تصویر تک جلا دوں گا
بہت دنوں سے مرا دل اداس ہے محسنؔ
اس آئینے کو کوئی عکس اب نیا دوں گا

شاہدہ حسن

کیا ہوا شب کے ستارے نے جو در کھول دیا
اُس کی آہٹ نے مرا بابِ ہنر کھول دیا
تیرے قدموں کے نشاں ہیں مری بینائی تک
میں نے یہ رستہ ترے پیشِ نظر کھول دیا
صبح سے شام، ہواؤں نے سمیٹا مجھ کو
دستکِ شب نے مرا زخم مگر کھول دیا
لذتِ دربدری ساتھ تھی دن بھر لیکن
شام آئی تو کسی ہاتھ نے گھر کھول دیا
میں نے جب بھی کبھی جانے کی اجازت چاہی
اس نے بڑھ کر مرا اسبابِ سفر کھول دیا
تتلیاں تھیں مری آنکھوں میں کہ وہ نیندیں تھیں
خواب کے ٹوٹتے ہی جیسے کہ پر کھول دیا

عبداللہ ناظر

میں ہوں طوفان میں لاچار سفینے کی طرح
لوگ جینے بھی نہیں دیتے جینے کی طرح
وعدہِ یار خدا جانے وفا کب ہوگا
ایک اک دن کتنا ہے مہینے کی طرح
دشت گردی میں کہاں عشرتِ رفتہ کا خیال
یاد ماضی ہوئی گُم گشتہ خزینے کی طرح
ایک دو گھونٹ سے کیا تشنہ لبی کم ہوگی
ساقیا ہم بھی پئیں کبھی پینے کی طرح
جائزہ لیجئے میدانِ عمل میں واعظ
کس کا ایمان ہے انگوٹھی میں نگینے کی طرح
بے تعلق کئے جاتے ہیں چمن سے ناظرؔ
نذرِ گلشن ہوا خوں جن کا پسینے کی طرح

عدیم ہاشمی

اس نے کہا کہ ہم بھی خریدار ہو گئے
بکنے کو سارے لوگ ہی تیار ہو گئے
اس نے کہا کہ ایک وفادار چاہیئے
سارے جہاں کے لوگ وفادار ہو گئے
اس نے کہا کہ کوئی گنہگار ہے یہاں
جو پارسا تھے وہ بھی گنہگار ہو گئے
اسنے کہا کہ مسکین ہے کوئی
سب لوگ گردِ کوچہ و بازار ہو گئے
اس نے کہا کہ کاش کوئی جنگجو ملے
آپس میں یار بر سرِ پیکار ہو گئے
اس نے کہا عدیمؔ میرا ہاتھ تھامنا
چاروں طرف سے ہاتھ نمودار ہو گئے

معمولی ایجادات کی تاریخ۔ چھوٹی چیزوں کی بڑی اہمیت کا اندازہ ہمیں کم ہی ہوتا ہے بعض ایجادات بہت معمولی ہیں لیکن انہوں نے ہماری روزمرہ زندگی کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ **چوٹ کی پٹی۔** چوٹ لگ جائے تو اس پر چپکانے کی چھوٹی سی پٹی ۱۹۲۰ میں ایک امریکی ارل ڈکسن نے ایجاد کی جو ہر گھر کی ضرورت بن گئی۔ **ربڑ بینڈ۔** انگلینڈ کی مشہور ایجاد ربڑ بینڈ ہے۔ اسٹیفن پیرس نے اسے ۱۸۴۵ء میں پیٹنٹ کروایا۔ یہ دنیا بھر میں فوراً مقبول ہوگیا۔ سالانہ ۳۴۲ ملین ربڑ بینڈ استعمال کئے جاتے ہیں۔ **پیپر**

کلپ ۔یہ ۱۸۶۷ء میں ایک امریکی باشندے سیموئل بی نے ایجاد کیا تھا آج بھی یہی ڈیزائن استعمال ہوتا ہے۔ کپڑے لٹکانے کی چٹکی۔ یہ ۱۸۵۳ء میں ڈیوڈ ایم سمتھ نے ایجاد کی تھی ۔موجودہ ڈیزائن اوریجنل ہے۔اس میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکی ۔ٹین کے ڈبے۔ یہ کین کھانا محفوظ رکھنے کے لئے بہترین ہیں ۱۸۱۰ء میں نکولس اپیرٹ نے یہ ایئر ٹائٹ ڈبے بنائے اصل میں نپولین کو جنگ کے دوران پتہ چلا کہ خوراک محفوظ نہیں رہتی اور فوجی غذائیت کی کمی کی وجہ سے کمزور پڑ گئے ہیں اس نے یہ اعلان کیا کہ جو یہ مسئلہ حل کرے گا اسے ۱۲ ہزار فرانک انعام دیا جائے گا بس مشکل یہ تھی کہ اس وقت تک کین کھولنے والا آلہ ایجاد نہیں ہوا تھا۔سپاہیوں کو اسے کھولنے کے لئے تلوار استعمال کرنا پڑتی تھی ۔آپ نے Bubble Wrap دیکھا ہوگا۔ یہ نازک اشیاء کی پیکنگ کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں ببل جیل کشن ہوتے ہیں اسے ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ایجاد کیا گیا۔اس کے موجد الفریڈ یلڈ نگ اور مارک شوائز تھے لیکن ابتدا میں یہ ناکام ایجاد تھی پھر آئی بی ایم نے اسے کمپیوٹرز کی محفوظ ڈلیوری کے لئے استعمال کیا تو یہ ایجاد کامیاب ہوگئی۔کوٹ لٹکانے کا ہینگر۔ ۱۹۰۴ء میں ایک امریکی البرٹ جے پارک ہاؤس نے ایجاد کیا۔انڈے رکھنے کی ٹرے ۱۹۱۱ء ایک امریکی جوزف کوائل نے ایجاد کی۔شپنگ کنٹینرز ۱۹۵۶ء میں بنائے گئے مالکم میک لین نے یہ ایجاد کیا۔ برطانیہ میں چائے پینے کا بہت شوق ہے مگر ٹی بیگ نیویارک کے باشندے ٹامس سلیوان نے ۱۹۰۴ء میں بنایا ۔اور اس کی مارکیٹنگ کی ۔

ثمینہ راجہ

کس طرح پھر بھلا پابند اُسے کرسکتی
میں ہواؤں کو تو مٹھی میں نہیں بند کر سکتی
سخت مجبوری ہے آوارہ نگاہی اُس کی
اک محبت اسے آسودہ نہیں کر سکتی
عین ممکن ہے کہ وہ لمس کہیں کھو جائے
مرے جذبات کی خوشبو تو نہیں مر سکتی
عشق میں موت گوارا ہے کہ سُن رکھا ہے
ہار بھی جائیں تو بازی یہ نہیں ہر سکتی
اب تو لے آؤ مرے واسطے ارژنگ کئی
ایک نظارے سے یہ آنکھ نہیں بھر سکتی

فاطمہ حسن

پہاڑ اپنی جگہ ساکت کھڑا ہے
مگر یہ جبر بھی کتنا بڑا ہے
میں اس سے روٹھنا چاہوں بھی کیسے
کہ وہ میرے لئے مجھ سے لڑا ہے

کسی نے دی نہیں آواز مجھکو
مگر پھر بھی یہاں رُکنا پڑا ہے
مکیں اُن کے کہاں آباد ہوں گے
جہاں تھے گھر وہاں پانی کھڑا ہے
اسی کے حکم سے بستی لُٹی ہے
اسی کے نام کا جھنڈا گڑا ہے

سعد اللہ شاہ

پھول خوشبو کے نشے ہی میں بکھر جاتے ہیں
لوگ پہچان بناتے ہوئے مر جاتے ہیں
منزلیں اُن کا مقدر کہ طلب ہو جن کو
بے طلب لوگ تو منزل سے گزر جاتے ہیں
جن کی آنکھوں میں ہوں آنسو انہیں زندہ سمجھو
پانی مرتا ہے تو دریا بھی اُتر جائے گا
ہم ہواؤں میں بھی جلتے ہیں چراغوں کی طرح
اور آنکھیں بھی کسی راہ میں دھر جاتے ہیں
نیچی پرواز میں اُڑنا نہیں آتا ہم کو
اونچا اُڑتے ہیں تو اس جسم کے پر جاتے ہیں
دیکھ لینا کہ یہی وقت نہ ہو چلنے کا
آپ کہتے ہیں تو پل بھر کو ٹھہر جاتے ہیں

صائمہ علی

دل کو بس اتنی طلب تجھ سے ہے خوش کام کرے
کوئی ہے مہر توجہ کی کرن نام مرے
اس کے آنے کی خبر موجِ ہوا نے جب دی
مسکرئے بہت اُس دن درو بام مرے
سِیم پر پھول کھلاتی رہی اُس کی آواز
نشّہ لئے میں چھلکتے رہے سب جام مرے
گُلِ نایاب تھی میں بھی تو محبت کی طرح
سرِ بازاریء دل سے نہ چکے دام مرے
زیرِ پا رہنے لگی کاہکشاں ، شب کی جگہ
دیکھتے دیکھتے کیا ہو گئے ایّام مرے

اسحاق ساجد

ہُنر کی یوں نمائش ہو رہی ہے

کہ جیسے کوئی سازش ہو رہی ہے
زمینیں خشک کیوں اب تک پڑی ہیں
مسلسل آج بارش ہو رہی ہے
خدا کا نام ہے جس کے لبوں پر
انہیں دنیا کی خواہش ہو رہی ہے
کہ اس سے کام بن جائے گا ساجد
امیروں سے گزارش ہو رہی ہے
دلِ فنکار کی بخشش تو دیکھو
عزیزوں پر نوازش ہو رہی ہے
غزل کے باب میں اس بار شاید
ہماری ہی ستائش ہو رہی ہے

کیا ہم مہذب اور معقول انسان ہیں؟

جوزف کالونی کا واقعہ (رانا عبدالرزاق خاں لندن)

مولوی مشتاق ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔اس نے چٹکی میں شناختی کارڈ بھی پکڑا ہوا تھا،وہ ہاتھ جوڑتا تھا،ہجوم کی منتیں کرتا تھا۔انہیں شناختی کارڈ دکھاتا تھا،اور دُہائیاں دیتا تھا،مگر ہجوم جب بپھر جائے تو پھر اسے مشتاق اور جوزف میں فرق نظر نہیں آتا۔یہ مولوی اور فادر دونوں کی پہچان کھو بیٹھتا ہے۔اور بادامی باغ کی عیسائی بستی جوزف کالونی میں بھی اس وقت یہی ہو رہا ہے۔مولوی مشتاق نے اپنے گھر کے دروازے پر ’’یہ مسلمان کا گھر ہے‘‘ بھی لکھ کر لگا دیا۔اس نے دیوار پر کوئلے سے اللہ اور رسول کا نام بھی لکھ دیا۔لیکن ہجوم جنونی ہو چکا تھا۔اور انسان سب سے پہلے انسانیت کھوتا ہے۔یہ بھول جاتا ہے کہ میں انسان ہوں۔اور میرے سامنے موجود لوگ بھی انسان ہیں۔اور ہم سب ایک جیسے ہیں۔گوشت پوست کے دھڑکتے پریشان ہوتے انسان جنہیں بارش گیلا،دھوپ گرم، برف ٹھنڈا،اور آگ جلا دیتی ہے۔یہ بھول جاتا ہے کہ کہ ہم سب ایک جیسے ہیں،دُکھی ،پریشان،متکبر،اکڑ خان،شیخی خور اور کنفیوز،ہم سب ایک جیسے ہی تشکیک کے شکار تُھڑ دلے،جلد باز،چغل خور،ناراض اور منافق،اور ہم سب ایک جیسے ہیں،چیختے چلاتے،منتیں کرتے،اور اگر ہاتھ میں ڈنڈا ہو تو فرعون،مگر جنون میں ہم یہ تمام حقیقتیں کھو بیٹھتے ہیں،ہم دوسرے انسان کا قیمہ بنا دیتے ہیں،دنیا میں شیر کو شیر نہیں کھاتا،کتے پر کتے کا گوشت حرام ہوتا ہے،چیلیں چیلوں پر حملہ نہیں کرتیں،اور حتیٰ کہ سور بھی سور پر حملہ نہیں کرتا،مگر انسان انسان کو کھا جاتا ہے،یہ دوسرے انسان کو چیر پھاڑ جاتا ہے،یہ اس کا قیمہ کر ڈالتا ہے،یہ اس کے گلے میں جنون کا ڈھول لٹکا کر دیوانہ وار رقص کرتا ہے۔اور مولوی مشتاق بھی انسانی جنون میں پھنس گیا تھا،لوگ اللہ اور رسول کے نعرے لگا رہے تھے،یہ غلامی رسول میں موت کی حدیں عبور کر جانا چاہتے تھے۔اور نعرہ بازی کے اس ریلے میں یہ بھول گئے تھے کہ ان کے سامنے کوئی عیسائی یا گستاخ رسولؐ نہیں کھڑا اُن کے سامنے ان کا ہم مذہب،ہم مسلک مولوی مشتاق کھڑا ہے،تین جوان بچیوں کا باپ مولوی مشتاق ہاتھ جوڑ کر انہیں خدا رسول کا واسطہ دے رہا ہے۔یہ انہیں کلمہ پڑھ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین بھی دلا رہا ہے،لیکن ہجوم نے اسے مولوی اور مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ہجوم نے مولوی مشتاق کو دھکا دیا وہ دہلیز سے دور جا گرا۔ہجوم نے اس کے دروازے کی کنڈی توڑی،اور اس کے گھر کو آگ لگا دی،مولوی کا گھر اس کی تین بچیوں کے جہیز کے سامان کے ساتھ جل کر راکھ ہو گیا،مگر ہجوم کے دل کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی،یہ آگے سے آگے ہی بڑھتا گیا،اور یوں ہفتہ ۹ مارچ کے دن بادامی باغ لاہور کی جوزف کالونی کے ۱۷۷ گھر اور ۱۶ دکانیں راکھ ہو گئیں۔دس ہزار سے زائد فرزندانِ توحید پانچ گھنٹے جوزف کالونی میں جنون کا رقص دہکاتے رہے،اور حکومت جی او آر میں اقتدار کے مزے لوٹتی رہی۔یہ تماشہ جمعرات ۷ مارچ کے دن دو نشیئوں کی لڑائی سے شروع ہوا،اخباری اطلاع کے مطابق ساون مسیح نشے میں دُھت حجام شاہد عمران کی دکان پر آیا،دونوں کے درمیان تلخ کلامی ہوئی، دونوں ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنے لگے،اس دوران دوسرا نشئی شفیق عرف چھیکو وہاں پہنچا،یہ بھی نشے میں دُھت تھا،یہ ساون مسیح کا مخالف تھا،اس نے شور کر دیا، ساون گستاخی کر رہا تھا،اور یوں دو لوگوں کی لڑائی صلیبی جنگ میں تبدیل ہو گئی،یہ معاملہ اگلے دن مسجد تک پہنچ گیا،وہاں سے مختلف پریشر گروپس تک آیا،اور یوں دس ہزار لوگوں نے جوزف کالونی پر حملہ کر دیا،ساون مسیح اس وقت تک بھاگ چکا تھا،مگر جوزف کالونی میں ۲۵۵ خاندان،۱۷۸ گھر،درجنوں دکانیں،اور ساڑھے چار ہزار مکین وہاں موجود تھے،ہجوم نے ساون مسیح کا بدلہ جوزف مسیح کی کالونی سے لینا شروع کر دیا، گھروں کو آگ لگا دی گئی،سامان لوٹ لیا گیا،(جو کہ مسلمانوں پر حلال ٹھہرا) دکانیں جلا کر راکھ کر دی گئیں،اسلام کی یہ تصویر پوری دنیا میں ہمارا اشتہار بن گئی،پاکستان کی مسیحی برادری ہڑتال پر ہے اور سڑکوں پر مارچ کر رہی ہے،یہ دھرنے دے کر بیٹھی ہے، پاکستان کے تمام مشنری سکول بند کر دیئے گئے ہیں اور چرچ کا سٹاف حکومت کی بے بسی پر بددعائیں دے رہا ہے۔کیا یہ اسلام ہے؟ اور کیا یہ ہے اللہ کے سچے نبی اور دین کی اصل تصویر؟ ہم آج تک بھارت کے جنونیوں کو بابری مسجد اور احمد آباد کے مسلمان پر حملے کی وجہ سے ظالم اور درندے قرار دیتے ہیں۔لیکن کیا ہم نے جوزف کالونی پر حملہ کر کے یہ ثابت نہیں کر دیا ہم میں اور بھارتی جنونی ہندوؤں میں کوئی فرق نہیں۔یہ یہ اگر گودھرا کے مسلمانوں کا قتل عام کر سکتے ہیں تو ہم بھی کم نہیں ہم بھی ایک شخص کی ذاتی لڑائی کی سزا پوری بستی یا پوری کمیونٹی کو دیتے ہیں،اور ہمارا جنون جوزف کالونی میں رہنے والے مولوی مشتاق کو بھی نہیں بخشا۔ہم مسلمان بچیوں کا جہیز جلا دیتے ہیں،ہم

میں اور گجرات کے جنونی ہندوؤں میں کیا فرق ہے؟ جوزف کالونی کے واقعہ نے تین باتیں ثابت کر دیں۔ایک ہم من حیث القوم جنون کا شکار ہیں یہ ملک ساڑھے سات لاکھ مربع کلومیٹر پاگل خانہ بن چکا ہے، اور نیم ملاں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔اور ہم میں سے سب نے اس پاگل خانے میں ڈیڑھ اینٹ کی اپنی اپنی مسجد بنا لی ہے، ہماری اس مسجد کے باہر ہر شخص کافر ہے، ہر شخص گستاخ ہے، ہر شخص غدار ہے، ہر شخص منافق ہے، اور یہ سب قابل گردن زدنی ہیں یہ اگر نہ ملیں تو ان کا گھر، اُن کا خاندان، اُن کی دکان، اُن کا کھیت ہم پر حلال ہو جاتا ہے، ہم دوسرے کے مندر، چرچ، اور جماعت خانے تو دور کی بات اُنکی مسجد قبول نہیں کرتے، ہم اس کی نماز، روزے، اس کے قران مجید اور اس کی داڑھی کو مشکوک سمجھتے ہیں ہم نے اس ملک میں برادریوں، خاندانوں، قبیلوں، نسلوں، زبانوں اور مسالک کو بھی مساجد کی سہولت دے دی ہے ہم پٹھان ہیں تو ہماری پٹھانیت ہماری مسجد ہے، ہم پنجاب، سندھی یا بلوچی ہیں ہم اُردو سپیکینگ یا لبرل ہیں تو ہماری مسجد ہے اور ہم اس مسجد میں کسی اور کو قبول ہی نہیں کرتے۔اور نہ اپنی مسجد کی بغل میں کسی دوسری مسجد کو برداشت کرتے ہیں اور یہ جنون ہمارا لائف سٹائل بن چکا ہے۔دوسری حقیقت اس ملک میں غریب کا صرف ایک مذہب ہے اور اس مذہب کا نام غربت ہے۔کسی ایک غریب بد بخت کی سزا پوری بستی کو ملتی ہے اور اس بستی کا مولوی مشتاق بھی اس کی زد میں آ جاتا ہے۔اور ریاست جوزف کو بچا سکتی ہے اور نہ ہی مولوی مشتاق کو، اور تیسری اور آخری حقیقت ہم اس ملک میں ڈگری کے بغیر کسی کا دانت بھی نہیں نکال سکتے، ہم گردے کے علاج کے لئے کسی سپیشلسٹ کے پاس جائیں گے اور علاج بھی کسی مستند ڈاکٹر سے کروائیں گے لیکن گستاخی کے فیصلے کے لئے ہم اپنی ذات میں مفتی اعظم ہیں ہم کسی کو بھی کسی وقت گستاخ قرار دے کر اس کے پورے خاندان کو قتل کرنے، اس کی پوری بستی کو آگ لگانے کا حکم دے سکتے ہیں اور پورا شہر ہمارا اس معاملے میں ہمارا مقتدی بن جائے گا۔ یہ فتویٰ کوئی شفیق عرف چھیکو یا نیم ملاں ہی کیوں نہ دے، ہم مرنا اور مارنا اپنے اوپر فرض کر لیں گے۔اور ہم اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات فراموش کر دیں گے۔اور قرآن مجید کو طاق میں رکھ کر بھول جائیں گے۔نماز ہمیں آتی نہیں پھر بھی کسی داڑھی دار ملاں کے فتوے پر جوزف کالونی جلا کر راکھ کر دیں گے۔اور پھر اس کارنامے کے بعد اللہ تعالیٰ سے توقع کریں گے کہ وہ ہمارے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ یہ ہے ہمارا اسلام ،اسلام آباد زندہ باد۔(ماخوذ)

خواجہ عبدالمومن ناروے

میرے دل پر تیر برساتے رہو
لمحہ لمحہ مجھ کو تڑپاتے رہو
تم کہتے رہو جو دل میں ہے
مجھ پہ ایسا لطف فرماتے رہو
میرے دل میں بس چکا یار وہ
لاکھ دل پر تالے لگواتے رہو
خواب میں آ کے ملتا ہے مجھے
ہو سکے تو اس کو سمجھاتے رہو
عشق سچا ہے تو مومن کس کا ڈر
شور ڈالو اور غرّاتے رہو

قران مجید کے معارف .... سید حسن خان

☆قرآن کریم پڑھنے سے قبل اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرَّجیم اور بسم اللّٰہ الرَّحمٰن الرَّحیم پڑھنا مسنون ہے۔☆قرآن کریم کی صبح صبح تلاوت کرنے سے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔☆قرآن کریم کو صبح وشام پڑھنے میں برکت ہے۔☆قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ پڑھنے سے قرآن مجید کے معارف کھلتے ہیں۔☆قرآن کریم ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے قرآن کریم کے مطالب حاصل ہوتے ہیں۔☆قرآن کریم ترنم سے پڑھنے سے سننے والے محظوظ ہوتے ہیں۔☆قرآن کریم دوسروں کو سکھانے سے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔☆قرآن کریم کا صبح وشام پڑھنا خدا تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کرنا ہے۔☆قرآن کریم تمام کتب سماوی کا مجموعہ ہے۔☆قرآن کریم خدا تعالیٰ کا پاک کلام ہے جس کا نزول اس کے سب سے پیارے نبی پاک ﷺ کے دل مطہر پر ہوا۔☆قرآن کریم مسلمانوں کی جان ہے۔☆قرآن کریم مومن کی غذا ہے۔☆قرآن کریم کا ایک ایک حرف اپنے اندر مطالب کا خزانہ رکھتا ہے ☆قرآن کریم کو تمام کتب سے افضل جاننا ثواب ہے☆قرآن کریم جنت کی کنجی ہے☆قرآن کریم کو پوری انہماک سے پڑھنا اور اس کے مطالب پر غور کرنا فرض ہے☆قرآن کریم سننے سے خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے☆ ﴿جو قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے﴾

لوگ۔

میں لے لوگوں کو مذہب کے لئے لڑتے دیکھا ہے،لوگوں کو مذہب کے لئے حمایت کرتے دیکھا ہے،لوگوں کو مذہب کے لئے مخالفت کرتے دیکھا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کو مذہب کے لئے مرتے دیکھا ہے،لیکن لوگوں کو مذہب کے مطابق زندگی گزارتے نہیں دیکھا۔

کام کی باتیں

ا۔انسان کا اصل حسن سچائی اور صرف سچائی ہے۔۲۔اچھی کتاب اچھا دوست ہوتی ہے۔۳۔علم ایسی چیز ہے جو خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔۴۔آج کا کام کل پر مت چھوڑو کیونکہ موت کسی کو نہیں چھوڑتی۔۵۔جو وقت کی قدر نہیں کرتا وہ ناکام رہتا ہے۔

کامیابی

کامیابی ان لوگوں کے قدم چومتی ہے جو کوشش اور جدو جہد میں لگے رہتے ہیں۔ کامیاب زندگی کے لئے اپنے ماضی پر غور کیجیئے۔ اور ماضی کی کامیابیوں اور ناکامیوں سے سیکھیں۔ آئندہ کے لئے موثر حکمت عملی طے کریں۔ اور اسے کامیابی سے لاگو کرنے کے لئے محنت اور جانفشانی سے کام کریں۔ انگریزی کا محاورہ ہے۔ Plan your work and work your plan. کہ اپنے کام کی منصوبہ بندی کریں اور پھر اسے عملی جامہ پہنائیں۔

قطعاتِ سروش (مزاحیہ)

چل نہیں سکتی تھیں جو بیمار تھیں کچھ اسقدر
اُٹھ کے بھاگیں اس طرح گویا اولمپک کھیل ہے
ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا آپ لیٹی ہیں ادھر
آج تو بازار میں کپڑوں پہ لگی سیل ہے

کر کے اغواء ساس میرے پاس کی
دی ہے دھمکی ڈاکوؤں نے پاس کو
تم نے پہنچائے اگر نہ پانچ لاکھ
چھوڑ دیں گے ہم تمہاری ساس کو

آپ بھی بیگم کی باتوں سے پریشاں ہیں اگر
ایک ہے ترکیب میرے پاس اس جنجال کی
آج جا کے آپ بھی بیگم سے بس اتنا کہیں
آپ جب خاموش ہوں لگتی ہیں سولہ سال کی

میں ساحلوں پہ رہوں پھر بھی مجھ کو پیاس رہے
یہ بد دعا تھی تیری کوئی نہ میرے پاس رہے
مگر میں دیتا ہوں تجھ کو دعا تہہ دل سے
خدا کرے کہ ترے گھر میں تیری ساس رہے

فقط اک شعر تھا میں نے سنایا ساس کے بارے
غلط فہمی ہوئی ایسی کہ اب میری کلاسیں ہوں
مجھے تو ساس کے رشتے سے خود اتنی عقیدت ہے
میری ذاتی تمنا ہے میری دو تین ساسیں ہوں

شیشے کو دیکھ کر تو میں بیگانہ ہو گیا
خود اپنا حسن دیکھ کر دیوانہ ہو گیا
قومی مقابلہ حسن میں میں بھی گیا مگر
اوروں کو ملے کپ مجھے جرمانہ ہو گیا

انور مسعود (مزاحیہ)

پجیرو بھی کھڑی ہے اب تو ان کی کار کے پیچھے
عظیم الشان بنگلہ بھی ہے سبزہ زار کے پیچھے
کہاں جچتی ہے دیسی گھاس اب گھوڑوں کی نظروں میں
کہ سر پٹ دوڑتے پھرتے ہیں وہ معیار کے پیچھے
عجب دیوار اک دیکھی ہے میں نے آج رستے میں
نہ کچھ دیوار کے آگے نہ کچھ دیوار کے پیچھے
تعاقب یا پولیس کرتی ہے یا از راہِ مجبوری
کوئی گلزار پھرتا ہے کسی گلنار کے پیچھے
سرہانے سے یہ کیوں اُٹھے، وہ دنیا سے نہیں اُٹھتا
مسیحا ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے بیمار کے پیچھے
ہوا خواہانِ سرکاری تو بس پھرتے ہی رہتے ہیں
کوئی سرکار کے آگے کوئی سرکار کے پیچھے
بڑے نمناک ہوتے ہیں انور قہقہے تیرے
کوئی دیوار گریہ ہے ترے اشعار کے پیچھے